بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

دارالعلوم دیوبند کا آخری چراغ بجھ گیا

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

دارالعلوم دیوبند کی محفل دوشین کا وہ چراغ سحر جو پچھلے دو سال سے حوادث و انقلابات زمانہ کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر بھی ٹمٹما رہا تھا، بالآخر شوال ۱۴۰۳ھ کے پہلے ہفتہ میں ہمیشہ کیلئے خموش ہوگیا، یعنی حکیم الاسلام، مظہر انوار قاسمیہ، مسند نشین جامعہ دیوبندیہ، ترجمان حقائق اسلامیہ مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب قاسمی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور دیوبندی مکتب فکر کے اس میر مجلس کے بساط لپیٹ دینے سے محفلیں اجڑ گئی ہیں اور ہر سو وحشت اور ویرانگی کا سا عالم ہے۔ اب اس دور کا بالکل خاتمہ ہوگیا ہے جو شیخ الہند مولانا محمود الحسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کا یادگار تھا۔ ان کی ذات ان اکابر کی نہ صرف بقیۃ السیف نشانی تھی۔ بلکہ ان کی ذات میں ان تمام اکابر و اساطین دیوبند کی نسبتیں جمع تھیں اور وہ زندگی بھر اپنی ذاتی، حسبی اور نسبی، گوناگوں خصائص و کمالات کی وجہ سے ان تمام اکابر کے محبوب بن چکے تھے۔ ایک مرحلہ ایسا آیا کہ شاید آپ دارالعلوم دیوبند چھوڑ کر پاکستان سکونت اختیار کر لیتے ادھر اکابر دیوبند باصرار آپ کو دوبارہ دیوبند کھینچ لائے تو استقبالیہ تقریب میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ نے دیدۂ پرنم اور گلوگیر آواز میں ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

بلاشبہ ان کی ذات محبوبیت میں تماشا گاہ عالم تھی۔ وہ اس گلشن علم و معرفت کے مالی اور شجرۂ طوبیٰ کے امین تھے جس کے لئے حجۃ الاسلام ولی اللہ دہلوی حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور شہدائے بالاکوٹ نے زمین ہموار کی جسکی داغ بیل حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور فقیہ الاسلام رشید احمد گنگوہی نے ڈالی اور جسکی آبیاری میں شیخ الہند محمود الحسن، حکیم الامۃ اشرف علی تھانوی، علامۃ العصر انور شاہ کشمیری اور مجاہد اعظم مولانا حسین احمد مدنی جیسے عمائدین امت نے اپنی زندگی تج دی۔ یہ امانت جب آپ کے ہاتھوں آئی تو پون صدی کے طویل اور صبر آزما شبانہ روز جدوجہد، خداداد اہلیت و صلاحیت، اخلاص و دیانت اور والہانہ جہد و عمل کے ساتھ آپ نے اس

مدرسۂ علم کو ایک ایسے جامعہ میں تبدیل کر دیا جس کے انوار و تجلیات سے ایک عالم جگمگا اٹھا اور وہ اس امانت سے الگ ہو کر جب دنیا سے رخصت ہوئے تو دیوبند کا وہ سرچشمہ علم علومِ نبوت کا ایک بحرِ ذخار بن کر علم و دانش کی پوری دنیا سے اپنی برتری اور فضیلت کا لوہا منوا چکا تھا۔

آپ حضرت بانیٔ دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پوتے مولانا محمد احمد مہتمم خاص کے صاحبزادے تھے حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے خصوصی تلمیذ حضرت شیخ الہند سے بیعت اور حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ پورے طبقہ کے محبوب و منظورِ نظر اور مرکز علمی کی سیادت کے لحاظ سے پوری جماعت کے سید الطائفہ تھے علمی فیض کے علاوہ بیعت و ارشاد کے میدان میں بھی لاکھوں مسترشدین کے روحانی رہبر و رہنما تھے۔ ١٣٣٧ھ میں درسِ نظامی سے فراغت پائی اور دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔

١٣٤٣ھ سے ١٣٤٧ھ تک دارالعلوم کے نائب مہتمم رہے۔ ١٣٤٨ھ سے لیکر وفات سے کچھ عرصہ قبل تک اس مرکزِ علم و ہدایت کی سیادت آپ کو حاصل رہی۔ نیرنگیٔ زمانہ یا چرخِ نیلگوں کی ستم ظریفی کہیئے کہ زندگی بھر علم و حکمت کے جس "تاج محل" (دارالعلوم دیوبند) کی آرائش و تزئین میں مصروف رہے۔

جب وہ بنائے عظیم جشنِ صد سالہ کی شکل میں عظمت و ترقی کے اوجِ کمال کو چھونے لگی تو اس عمارت کا یہ "شاہجہان" جدائی اور مہجوری کے داغ لئے ہوئے اس دنیائے رنگ و بو سے الگ ہو گیا۔ جو کچھ پیش آیا گو اس کے محرکات ان کے عہدِ اہتمام کی طرح دیرینہ اور قدیم تھے۔ اور مشیت ایزدی کے سامنے کس کی چلتی ہے مگر پھر بھی بے اختیار جی میں آتا ہے کہ کاش یہ صورتِ حال وہ ایک سال مزید پیش نہ آتی اور دارالعلوم دیوبند کا یہ بلبل ان ہی عظمتوں اور رفعتوں کے ساتھ اور انہی قدرشناسیوں کے ساتھ ہم سے رخصت ہوا ہوتا جو زندگی بھر ہم سب نے انہی کیلئے مخصوص کر رکھی تھیں اور جس کے وہ سزاوار تھے۔ کہ سالارِ کارواں کی شوکت و سطوت پوری جماعت اور قافلہ کی شان بڑھاتی ہے۔ ولکن ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن۔

حکیم الاسلام نسبی اور روحانی رشتوں کے ساتھ ساتھ علم و حکمت کے لحاظ سے اپنی ذات سے بھی ایک انجمن تھے ان کے علوم و تصانیف اور خطبات، حکمت ولی اللّٰہی اور معرفتِ نانوتوی کے اُبلتے ہوئے سرچشمے ہوتے تھے، اسرار دین کی تشریح اور رموزِ شریعت کی ترجمانی میں ان کا شمار گنے چنے حکماء اسلام میں ہو سکتا ہے۔ ان کی ہر تقریر حقائق و معارف کا ایک سمندر اور ہر تحریر اسرار و نکات کی ایک دنیا اپنے اندر لئے ہوتے تھی۔ ان کے خطبات سے نہ صرف برِصغیر کا گوشہ گوشہ بلکہ عالمِ اسلام کے علاوہ افریقہ اور یورپ کی دور دراز بستیاں بھی مستفید ہوئیں دین اور مادرِ علمی دیوبند کی آواز پہنچانے میں زندگی کا اکثر حصہ طویل اسفار کی نذر ہوا۔ اسلام کے اہم اور عصر حاضر کے جدید مسائل پہ ایک سو سے زائد تصانیف چھوڑیں، حدیث و تفسیر اور فنِ حقائق و اسرار کی کتابیں

اثر ذیر درس بھی رہتیں۔ دعوت وبیان کا انداز حکیمانہ، تصنیف وتالیف کی شان فلسفیانہ ہونے کے باوجود شعر وسخن میں بھی اعلیٰ ذوق اور ثقہ انداز رکھتے تھے۔ ان کی مثنویاں، قصائد اور فصیح و بلیغ نظمیں، اعلیٰ ترین ذوقِ سخن کی غمازی کرتی ہیں۔

الغرض وہ اپنے جامع الصفات، اکابر واسلاف کے کمالات ومحاسن، نجابت وسعادت، شرافت و وجاہت، فضل وکمال، اخلاق وشرافت، وقار وتمکنت، فکر واصابت، تواضع ومتانت کا ایک پیکرِ جمیل اور دیوبند کی اعلیٰ روایات کا ایک مرقع اور ظاہری لطافت ونظافت اور حسن وپاکیزگی کا ایک مجسمہ تھے۔ ان کا ماتم ان سب صفات کا ماتم ہے، پوری قوم اور پوری ملت کا ماتم ہے۔ دنیائے علم وفضل کا ماتم ہے۔ درسگاہوں جامعات اور خانقاہوں کا ماتم ہے۔ اور دار العلوم حقانیہ کے لئے بھی اس لحاظ سے ایک عظیم ماتم کہ دار العلوم اور اس کے بانی مدظلہ کے ساتھ حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے علائق وروابط اور خصوصی عنایات وتوجہات کی داستان تقریباً نصف صدی پر پھیلی ہوئی ہے۔ ؏

کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری

الوداع اے فخرِ دین وملت، الوداع اے خادمِ حصنِ اسلام، الوداع اے شارحِ علومِ قاسمیہ، الوداع اے امینِ گلشنِ علومِ نبویہ۔ الوداع اے میرِ کارواں، الوداع۔ تیری تربت پر ہزاروں رحمتیں ہوں۔ اور تو رب کریم کی بے پناہ لطف وکرم سے مالامال ہو ؎

نذرِ اشک بے قرار از من پذیر
گریۂ بے اختیار از من پذیر

برد اللہ مضجعك ونور ضريحك، وانزل عليك شآبيب رحمتك۔

واللہ یقول الحق وھو یہدی السبیل۔

سمیع الحق